© rasailojaraid.com

اختلاف ہے۔ فی نفسہٖ اختلاف رائے کوئی بری چیز نہیں ہے۔ لیکن اجماعِ صحابہ، تعاملِ اُمت، ائمہ اربعہ، فقہِ ظاہریہ اور فقہ جعفریہ سب کی متفقہ رائے سے اختلاف کرنا تعجب انگیز بھی ہے اور افسوسناک بھی ہے، کیونکہ غیر القرون اور اس سے منسلکہ ادوار کے اجتماعی فہمِ دین پر یہ اختلاف خطِ تنسیخ کھینچتا ہے اور ہمارے دین پر سے اعتماد کو ختم کرتا ہے۔

محترم جناب قادری صاحب نے نوائے وقت کے ایک ملی ایڈیشن میں دعویٰ کیا ہے اور یہ چیلنج دیا ہے کہ عورت کی دیت کے نصف ہونے کے ثبوت میں کوئی روایت صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں ہے۔ حدیث اور اقوالِ صحابہ کا ثبوت تو پیش کر دیا جائے گا، لیکن اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ قادری صاحب کا دعویٰ سچا ہے تو پھر میں درخواست کروں گا کہ عورت کے قتلِ خطا کی دیت کے نصف ہونے کے خلاف زخموں کی دیت کے بارے میں نہیں، کسی ایک صحابی یا تابعی یا تبع تابعی یا ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کا کوئی قول پیش کیا جائے تاکہ اجماع کے دعوے کو غلط ثابت کیا جا سکے۔

پروفیسر محمد وارث میر صاحب کے ریمارکس

نوائے وقت کے ملی ایڈیشن میں شائع شدہ انٹرویو جناب پروفیسر محمد وارث میر صاحب نے لیا ہے۔ دو پروفیسروں کے درمیان جو گفتگو ہوئی اس کی تمہید میں جناب میر نے تین باتیں ارشاد فرمائی ہیں جو یہ ہیں:

۱۔ اقبال کے خیال میں ۵۰۰ سال تک اسلام اس لیے جامد اور غیر متحرک رہا ہے کہ مسلمانوں نے اصولِ تغیر کو نظر انداز کر رکھا ہے اور اسلام کی ہیئت و ترکیب میں جو اصولِ حرکت کارفرما ہے، اُسے اجتہاد کہتے ہیں۔ نئی نسل کو یہ حق ہونا چاہیے کہ وہ اپنی مشکلات کا حل خود تلاش کرے وہ سلف کے علمی سرمایہ سے رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں، لیکن اسلاف کے فیصلے ان کے راستے میں روک نہیں بن سکتے۔

اس سلسلے میں مجھے پہلی بات تو یہ عرض کرنی ہے کہ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں تھا جسے اقبال نے آ کر کھولا ہو۔ سورہ النساء ۸۳ اور توبہ ۱۲۲ میں استنباط و تفقہ کا حکم دیا ہے۔ ۲۰ آیات میں لفظِ فقہ، ۴ آیات میں لفظ تدبر، ۱۸ آیات میں لفظ فکر، ۴۹ آیات میں لفظ عقل اور ۱۳۵ آیات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہ عقل کے قریب المعنٰی لفظ قلب کا ذکر آیا ہے۔ ان تمام آیات میں غور و فکر اور فقہ و اجتہاد کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر منصوص مسائل کا حل تلاش کرنے کے لیے دیانت دار ماہرین شریعت کے اجتماعی اجتہاد و مشاورت کا حکم دیا ہے۔ (مجمع الزوائد) حضرت معاذ بن جبل کو اجتہاد کرنے کی اجازت دی ہے (ابوداؤد)۔ ابوبکرؓ و عمرؓ کی مستقل پالیسی تھی کہ غیر منصوص نئے مسائل کا حل مسلمانوں کے نمائندہ علماء و فقہاء (رؤس الناس) کے اجتماعی اجتہاد و مشاورت کے ذریعے تلاش کرتے تھے (سنن دارمی۔ سنن کبریٰ از بیہقی، مسند احمد۔) حضرت عمرؓ نے ابوموسیٰ اشعریؓ کے نام اپنے مشہور مکتوب میں نصوص کے نہ ملنے کی صورت میں قیاس و اجتہاد سے کام لینے کی ہدایت فرمائی تھی۔ (سنن دارقطنی۔ سنن بیہقی۔ کنز العمال)۔

یہ بات بھی امر واقعہ نہیں ہے کہ مسلمانوں نے اجتہاد کو نظر انداز کر رکھا ہے، اس لیے اسلام جامد اور غیر متحرک رہا ہے۔ اسلامی فقہ کی کتابوں میں ہزاروں مسائل مدون شکل میں موجود ہیں اور ہر نئے مسئلے کا جواب ان کتابوں سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ آج کے دور جدید میں بھی جدید ترین مسائل پر اجتہاد و تحقیق کا کام ہو رہا ہے۔

رہی یہ بات کہ اسلاف کے فیصلے نئی نسل کے راستے میں روک نہیں بن سکتے،[1] تو اس بارے میں میری گزارش یہ ہے کہ اسلاف کی انفرادی اور شخصی آرا تو نئی نسل کے فقہا و علما کے راستے میں یقیناً روک نہیں بن سکتیں، مگر سنت رسولؐ، سنت خلفاء راشدین اور اسلاف کے اجماعی فیصلے یقیناً روک بن سکتے ہیں۔ اگر منصوص اور اجماعی مسائل میں بھی "نئے مجتہدین" کو "نئے اجتہاد" کی کھلی چھوٹ دے دی جائے تو یہ وہ بے لگام آزادیٔ رائے ہو گی جسے کوئی بھی اسلام کا وفادار شخص جائز نہیں ٹھہرا سکتا۔ اجتہاد کا راستہ کھلا ہے، اسے نہ کسی نے بند کیا ہے اور نہ کوئی علمی تحقیق کا راستہ بند کر سکتا ہے، لیکن اجتہاد کا دائرہ محدود ہے، غیر محدود نہیں ہے، مشروط

[1] یوں عملاً بھی اور فکری طور پر بھی ایک بڑے طبقے کے لیے خود قرآن اور سنت بھی کوئی روک نہیں ہیں (ف ۔ ر ۔ ص)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے، غیر مشروط نہیں ہے اور وہ یہ ہے :-

۱- نئے حل طلب مسائل میں اجتہادی فیصلے کیے جائیں گے۔ نصوص یا اجماع کے ذریعے پہلے سے طے شدہ مسائل میں اجتہاد آرائی اور رائے زنی کی اجازت اسلام نے نہیں دی۔

۲- پہلے سے طے شدہ احکام کو حالاتِ حاضرہ پر منطبق کرنے کے لیے بھی اجتہاد کرنا پڑے گا۔

۳- اسلاف اور ائمہ اجتہاد کے درمیان اختلافی مسائل میں حالات کے تقاضوں، ضرورت اور مصلحت کے پیشِ نظر کسی ایک رائے کو ترجیح دینے کے لیے بھی اجتہاد کا راستہ کھلا ہے۔

۴- مُباحات و مصالح مرسلہ کے وسیع دائرے میں مصالح، استحسان، مفادِ عامہ یا عرف و رواج کے مطابق قانون سازی کرنے کے لیے بھی اجتہاد کا راستہ کھلا ہے۔

مذکورہ بالا چار اُمور میں بھی اجتہاد کا حق ظاہر ہے کہ ہر کس و ناکس کو حاصل نہیں ہے۔ "اجتہادِ کم نظراں" کی جن خرابیوں کی طرف اقبال ؒ نے اشارات کیے ہیں ان سے تو پروفیسر میر صاحب بھی واقف ہیں، بلکہ اس کے لیے اجتہادی بصیرت و فقاہت اور تقویٰ و دیانت دونوں کی بھی ضرورت ہوتی ہے، اور مجتہدین کے وضع کردہ اُصولِ اجتہاد کو ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ یہ اُصولِ اجتہاد فقہائے کے من گھڑت نہیں ہیں، بلکہ قرآن و سنت سے ثابت شدہ اور مستنبط شدہ اُصول ہیں۔ اُمورِ طبیعیہ اور سائنس و ٹیکنالوجی کے دائرے میں نئے نئے انکشافات و تجربات کرنے کی تو آزادی دی جاسکتی ہے لیکن اُمورِ شرعیہ یعنی شرعی قوانین و احکام میں کھلی چھٹی نہیں دی جاسکتی۔ بلکہ قرآن و سنت کے اُصولِ اساسی کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے اہلِ اجتہاد کو اجتہاد کی اجازت دی گئی ہے۔

عورت کے قتلِ خطا کی دیت کا مسئلہ اجماعِ صحابہ اور تواترِ اُمت سے ثابت ہے اور طے شدہ مسئلہ ہے کوئی اختلافی مسئلہ نہیں ہے۔ اختلاف جو کچھ بھی ہے زخموں کی دیت میں ہے۔ ظاہر ہے اس کو ۵ فی صد سے بھی کم "مغرب زدہ خواتین و حضرات" کے مطالبے پر یورپین ماڈل کے مجتہدین کے اجتہاد کا تختۂ مشق تو نہیں بنایا جاسکتا۔ اسلام نہ تو "مُلّا ازم" ہے اور نہ "ماڈرن ازم"[۱] ہے،

[۱] اور بالفاظِ دیگر نہ "مسٹر ازم" یا "پروفیسر ازم"! (ناشر۔ ص)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بلکہ قرآن و سنت کے احکام کی وفاداری کا نام اسلام ہے۔

۲۔ دوسری بات پروفیسر میر صاحب نے اپنی تمہید میں یہ کہی ہے کہ میں ایسے متعدد علماء کو جانتا ہوں جو حکومت کو قرآن کے اصولِ حرکت (اجتہاد) سے آگاہ کرنے کے لیے بے تاب ہیں، لیکن "پیشہ ور الزام تراشوں کی بدذوقی" کے پیشِ نظر اپنی زبانیں بند رکھے ہوئے ہیں۔

معلوم نہیں حضرتِ میر کے علم میں کون سے وہ علماء ہیں جو "الزام تراشوں" سے ڈرتے ہیں۔ میرے علم ہی میں نہیں بلکہ ملک کے لاکھوں مسلمانوں کے علم میں تو ایسے بے شمار حق پرست اور حق گو علماء موجود ہیں جو شریعت کا حکم بیان کرنے وقت نہ کسی حکمران سے ڈرتے ہیں اور نہ کسی کی جانب سے رجعت پسند اور "کٹر ملّا" ہونے کی پھبتی کسے جانے سے ڈرتے ہیں۔ نہ کوئی طمع اور لالچ اُن کو حق گوئی سے روک سکتا ہے۔ اور نہ وہ "بدذوق الزام تراشوں" میں شمار ہونے کے خوف سے طے شدہ اجماعی مسائل میں اجتہاد آرائیاں کرتے ہیں۔

۳۔ تیسری بات جناب میر صاحب نے یہ ارشاد فرمائی ہے کہ جناب پروفیسر محمد طاہر القادری صاحب نے اجتہادی کاوشوں کے جاری رکھنے کی محض بات ہی نہیں کی بلکہ عورت کی دیت کے مرد کے برابر ہونے کے لیے عملاً اجتہاد بھی کیا ہے۔ اور ۲۸ اگست کو کابینہ کے خصوصی اجلاس میں صدرِ مملکت نے بھی قادری صاحب کو مدعو کیا۔ اس اجلاس میں عورت کی نصف دیت کی مخالفت میں قادری صاحب کے زورِ دلائل نے سب کو متاثر کیا۔

ہم جیسے "بیرونِ خانہ" لوگ "اندرونِ خانہ باتوں" سے تو واقف نہیں، لیکن اس اجلاس میں ملک کے ممتاز اور معروف و مستند علماءِ دین بھی موجود تھے، جن کے علم اور خیالات اور تحریروں سے ہم پہلے سے آگاہ ہیں، مثلاً مفتی سیاح الدین صاحب اور مفتی تقی عثمانی صاحب۔ کیا ان کو بھی متاثر کیا تھا؟ کیا ملک کے ہزاروں ماہرینِ شریعت علماء کو بھی متاثر کیا تھا؟ اور عام مسلمانوں کی کتنے فیصد تعداد کو متاثر کیا تھا؟ اور یہ تاثر مثبت تھا یا منفی تھا؟ اِن سوالات کے جوابات دیئے بغیر سب کو متاثر کیا کا فقرہ نِرا دعویٰ ہے۔ میر صاحب! ذرا اس کی وضاحت بھی کر دیجیے کہ متاثر ہونے والے کون ہیں؟ کتنے ہیں؟ اور کیسے ہیں؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پروفیسر محمد طاہر القادری کے ارشادات کا تجزیہ

نوائے وقت میں جناب قادری صاحب کے جو دعوے اور دلائل شائع ہوئے ہیں انہی کا ذکر شاید انہوں نے کابینہ کے اجلاس میں کیا ہوگا، جن سے بقول پروفیسر صاحب سب متاثر ہوئے تھے۔ مسئلے کو سمجھنے اور شبہات کے ازالے کے لیے ترجمان القرآن کے جون اور ستمبر ۱۹۸۴ء کے شماروں میں شائع شدہ مضامین کافی اور شافی ہیں۔ میں قارئین کو ان کے مطالعے کا مشورہ دیتا ہوں۔ یہاں بہ تقاضائے ضرورت مبینہ دلائل کا تجزیہ پیش کیا جاتا ہے۔

پروفیسر قادری صاحب کی پہلی دلیل سورۃ بقرہ کی آیت ۱۷۸ میں قصاص اور راضی نامے کی صورت میں بدلِ صلح کا حکم مرد اور عورت دونوں کے لیے یکساں ہے، لہٰذا قتلِ خطا کی صورت میں دیت بھی دونوں کی برابر ہونی چاہیے! عورت کی دیت کے نصف ہونے کے اجماعی حکم سے جن دو تین حضرات نے انکار کیا ہے، ان کے خیال میں یہی پہلی اور مضبوط دلیل ہے جس سے دیت کی مساوات ثابت ہوتی ہے اور اسی کو یہ لوگ بنیادی دلیل سمجھتے ہیں۔

تبصرہ و تجزیہ ا۔ قتلِ عمد ایک سنگین جرم ہے جس کی سزا قصاص ہے اور اس سزا کا ذکر قرآن کریم میں متعین طور پر بغیر کسی اجمال و ابہام کے اور بغیر کسی استثناء و تخصیص کے عمومی الفاظ میں کر دیا گیا ہے۔ اس کی مزید تشریح سورۃ مائدہ کی آیت ۴۵ میں کی گئی ہے جس میں مطلقاً "جان کے بدلے جان" کا حکم دیا گیا ہے۔ حدیثِ رسولؐ میں ہے کہ "سب مسلمانوں کا خون برابر ہے"۔ قصاص چونکہ خون کا بدلہ ہے اس لیے مرد اور عورت کے لیے قصاص کا حکم برابر ہے اور یہ بھی اجماعی حکم ہے۔ اس واضح اور غیر مبہم حکم میں نہ تو ظنی دلیل سے تخصیص جائز ہے اور نہ کسی اور دلیل سے اس عام حکم میں تخصیص کی گئی ہے۔

ب۔ بدلِ صلح راضی نامے کی صورت میں قصاص کا بدل ہے جس کے ادا کرنے سے قاتل اپنے آپ کو موت سے بچاتا ہے۔ قصاص چونکہ دونوں کے لیے یکساں ہے اس لیے بدلِ صلح بھی دونوں کے لیے یکساں ہے۔ مگر مقدار مقرر نہیں۔ جس مقدار پر بھی مصالحت ہوئی ہو وہی ادا کرنی پڑے گی۔ پوری دیت بھی ہو سکتی ہے، آدھی بھی ہو سکتی ہے اور کچھ لیے بغیر بھی معاف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا جا سکتا ہے۔

ج۔ لیکن قتلِ خطا قتلِ عمد کی طرح کا جرم اور گناہ نہیں ہے۔ بلکہ صرف شدید بے احتیاطی اور بے پروائی ہے جس کی سزا کفارہ مقرر کی گئی ہے۔ کفارے کا تعین بھی قرآنِ کریم میں کر دیا گیا ہے کہ غلام آزاد کیا جائے گا یا ۶۰ روزے رکھنے پڑیں گے، لہٰذا کفارے کے متعین اور غیر مبہم حکم میں بھی نہ تخصیص جائز ہے اور نہ تخصیص کسی دوسری دلیل سے ہوتی ہے ۔ مگر دیت قصاص کا بدل نہیں ہے۔ جب قتلِ خطا کی صورت میں سزائے موت شریعت نے مقرر نہیں کی اور سزائے موت دینا جائز ہی نہیں ہے تو دیت اُس کا بدل کیسے قرار دی جا سکتی ہے؟ اگر یہ قصاص کا بدل ہوتی تو اس کا ادا کرنا خود قاتل پر واجب ہوتا۔ جیسا کہ قتلِ عمد کی صورت میں بدلِ صلح ادا کرنا قاتل پر ہے۔ عاقلہ پر اس کی ذمہ داری نہیں ہے۔ دراصل قتلِ خطا کی دیت مقتول کے وارثوں کی امداد اور معاشی پریشانی کا کسی حد تک ازالہ اور مالی نقصان کی تلافی کرنے کے لیے ہے جو اجتماعی کفالت کے اُصول پر قاتل کے عاقلہ (خاندان یا ہم پیشہ لوگوں) پر لازم قرار دی گئی ہے۔ قاتل نے چونکہ عمداً کوئی جرم نہیں کیا، اس لیے خود اس پر نہ قصاص ہے اور نہ ہی دیت دینا لازم ہے۔ اس سے صرف ایسی بے احتیاطی ہوئی تھی، جس کے نتیجے میں نادانستہ یا غیرارادی طور پر ایک جان ضائع ہوئی اس لیے اس کی سزا کفارہ دینا ہے۔ جو قاتل پر لازم ہے مگر کفارہ عاقلہ پر لازم نہیں ہے۔ قتلِ عمد اور قتلِ خطا کے ان واضح احکام کے درمیان جو فرق ہے، معلوم نہیں قادری صاحب نے اس پر کیوں توجہ نہیں فرمائی؟

د۔ باقی رہی یہ بات کہ سورۃ النساء کی آیت ۹۲ میں قتلِ خطا کی دیت ادا کرنے کا حکم عام ہے۔ اور مذکر کے صیغے میں بالاجماع عورتیں بھی شامل ہیں، اس لیے اس عموم و اطلاق میں خبرِ واحد اور اقوالِ صحابہؓ کے ذریعے تخصیص و تقیید جائز نہیں ہے تو اس سلسلے میں گذارش یہ ہے کہ ایک ہے "نفسِ وجوبِ دیت" جس کا ذکر قرآن میں واضح طور پر بغیر کسی تخصیص کے اور بغیر کسی اجمال و ابہام کے کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا دیت کا واجب ہونا مرد اور عورت دونوں کے لیے یکساں ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ مرد کے قتلِ خطا کی دیت تو واجب ہو اور عورت کے قتلِ خطا کی دیت واجب نہ ہو۔ اور دوسری بات ہے "قتلِ خطا کی دیت کی مقدار" اس بات کا ذکر قرآنِ کریم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں نہ صیغۂ خاص کے ذریعہ ہوا ہے اور نہ صیغۂ عام کے ذریعے کیا گیا ہے بلکہ سرے سے ذکر ہی نہیں ہوا[1]۔

قادری صاحب سے گذارش ہے کہ زیرِ بحث مسئلۂ دیت کا وجوب نہیں ہے بلکہ دیت کی مقدار موضوعِ کلام ہے۔ قادری صاحب نے خود اپنے انٹرویو میں تسلیم کیا ہے کہ دیت کے تفصیلی احکام ہمیں حدیثِ رسول ﷺ سے ملتے ہیں۔ اگر قرآن کریم میں واضح طور پر بغیر کسی ابہام و اجمال کے مرد اور عورت دونوں کی دیت کی شرح اور مقدار یکساں بیان کردی گئی ہوتی تو پھر آپ کہہ سکتے تھے کہ قرآن کے عموم میں تخصیص جائز نہیں ہے مگر ایسا تو نہیں ہے۔ اصل صورتِ حال یہ ہے کہ نفس وجوبِ دیت کا حکم واضح بھی ہے اور عام بھی ہے، لیکن مقدارِ دیت کا حکم مجمل ہے، عام نہیں ہے۔ قرآن کے ایسے مجمل و مبہم حکم کی تشریح خبرِ واحد یا اقوالِ صحابہ سے ہوسکتی ہے، بلکہ قرآن کی تفسیر و تشریح کا صحیح طریقہ ہی یہی ہے کہ اس کو احادیث و آثار کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ احادیثِ رسول ﷺ اور اقوالِ صحابہ اور اجماعِ امت کو نظر انداز کرکے ذاتی آراء کی روشنی میں تفسیر کرنا تو تفسیر بالرائے ہے جس کی رسول اللہ نے مذمت کی ہے اور ایسا کرنے والے کو عذاب کی خبر سنائی ہے۔ تفسیر بالرائے تو کہتے ہی ایسی تفسیر کو ہیں جو صحابہؓ تابعین تبع تابعین اور اسلاف کی متفقہ تفسیر سے بے نیاز ہو کر کی جائے اور وہ ان سب کے خلاف ہو، ورنہ مطلق رائے کا استعمال اور تدبر تو قابلِ مذمت نہیں ہے، بلکہ قابلِ تعریف ہے۔ قادری صاحب کے اس طرزِ استدلال سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے عام اور مجمل کے فرق کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ اور دونوں کے کھلے فرق کو نظر انداز کردیا ہے۔ بہر حال مجھے گذارش یہ کرنی تھی کہ یہ "بیانِ مجمل" کا مسئلہ ہے "تقییدِ مطلق" یا "تخصیصِ عام" کا مسئلہ نہیں ہے۔ اُصول فقہ کے کسی قاعدے کا حوالہ دینے سے قبل بہتر ہوتا کہ موصوف اُصول فقہ کی نزاکتوں کو سمجھنے کی سعی فرماتے۔

---

[1] کیا قرآن میں کہیں بھی مرد یا عورت یا دونوں کی اکھٹی مقدارِ دیت مذکور ہے؟ (ادارہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پروفیسر قادری صاحب کی دوسری دلیل محترم پروفیسر قادری صاحب کا دعویٰ ہے، جسے انہوں نے چیلنج کے انداز میں پیش کیا ہے کہ عورت کی آدھی دِیت کے حق میں کوئی روایت صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں ہے۔ اگر کسی نے پیش کر دی تو میں اپنے موقف سے دستبردار ہونے کے لیے تیار ہوں۔ صرف معاذ بن جبلؓ کی حدیث، بیہقی نے نقل کی ہے جسے اُس نے خود ضعیف قرار دیا ہے۔ یہ حدیث صحاح ستہ اور بیہقی کے علاوہ دوسری کتبِ احادیث میں موجود نہیں ہے۔ جس نے بھی نقل کیا ہے بیہقی ہی سے نقل کیا ہے اور یہی اس کا ماخذ ہے۔ اور بیہقی سے پہلے کسی نے اس کو اپنی کتابوں میں نقل نہیں کیا، اسے پہلی مرتبہ بیہقی نے نقل کیا ہے۔ یہ ہے قادری صاحب کے دعوے کا خلاصہ۔ اب آیئے اس کا تجزیہ کریں۔

تبصرہ و تجزیہ ۱- پہلی بات تو مجھے یہ عرض کرنی ہے کہ چلیے تھوڑی دیر کے لیے آپ کی بات تسلیم کر لیتے ہیں، لیکن کیا آپ قتلِ خطا میں مرد اور عورت کی دِیت کے مساوی ہونے کے حق میں اور نصف دِیت کے خلاف کسی ایک صحابیؓ، تابعی، تبع تابعی (قرونِ مَشْهُودٌ لَهَا بِالْخَيْر) کا قول صحیح سند کے ساتھ نہ سہی ضعیف سند کے ساتھ صحاح ستہ میں سے نہ سہی، دوسری کتابوں میں سے، بیہقی سے پہلے کی کتابوں میں سے نہ سہی اس کے بعد کی کتابوں میں سے پیش کر سکتے ہیں؟ مگر اچھی طرح ذہن نشین کر لیجیے کہ قتلِ خطا کی دیت کے مساوی ہونے کی بات ہو رہی ہے، زخموں کی دِیت میں ⅓ تک مساوی ہونے کے اقوال موجود ہیں جن کا آپ نے بھی حوالہ دیا ہے اور ترجمان القرآن کے جون کے شمارے میں ہم نے بھی حوالے دیئے ہیں۔ اگر قتلِ خطا کی دیت کے مساوی ہونے کے حق میں اور نصف دیت کے خلاف آپ کوئی ضعیف روایت بھی نقل نہیں کر سکتے تو پھر یہ اجماعِ صحابہ نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ بعد کے فقہا نے اس اجماع کو تواتر کے ساتھ نقل کیا ہے اور سوائے ابن علیہ اور الاصم کی جانب منسوب قول کے کسی فقیہ نے پوری دیت کا فتویٰ نہیں دیا۔ آخر یہ واضح تعاملِ اُمت نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ قرونِ ثلاثہ کے اجماع کے بعد اگر کسی بڑے سے بڑے فقیہ اور مجتہد کا فتویٰ بھی دِیت کے مساوی ہونے کا موجود ہوتا، پھر بھی خلافِ اجماع ہونے کی وجہ سے قابلِ قبول نہ ہوتا تا بہ دیگراں چہ رسد۔ ابن عُلَیّہ اور اصم اور چودہ سو سال بعد تین چار یا چھ سات افراد کی رائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کس طرح اجماعِ صحابہ اور تعاملِ اُمت اور سنتِ خلفائے راشدین کے خلاف قابلِ قبول بن سکتی ہے؟[1]
آپ اُصولِ فقہ کے قواعد کا حوالہ دیتے ہیں تو خود بھی ان قواعد کے مطابق بات کیجیے - اگر آپ جواب میں کہتے ہیں کہ اجماع قرآن کے خلاف حجت نہیں ہے تو قرآنِ کریم میں کہاں لکھا ہے کہ مرد اور عورت کی دیت برابر ہے؟ قرآن میں تو صرف یہ آیا ہے کہ مرد اور عورت دونوں کی دیت واجب الاداء ہے، یعنی ادا ہونی چاہیے - قرآن و سنت کے خلاف اجماع تو سرے سے ممکن ہی نہیں ہے ورنہ پھر رسول اللہ کی یہ بات نعوذ باللہ غلط ثابت ہو جائے گی کہ میری اُمت گمراہی پر کبھی بھی متفق نہیں ہو سکتی بلکہ خود قرآن کی یہ بات غلط ثابت ہو جائے گی کہ اُمتِ مسلمہ، اُمت وَسَط اور بہترین اُمت ہے. جب قرآن کے خلاف اُمت متفق ہو جائے تو پھر یہ عادل اور بہترین اُمت کیسے قرار پائے گی -

ب - اگر یہ سوال کیا جائے کہ اجماعِ صحابہؓ، تعاملِ اُمت اور سنتِ خلیفۂ راشد کی سند اور دلیل کیا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ قرآن و سنت کی تعبیر و تاویل پر یا کسی ضعیف الاسناد حدیث کی بنیاد پر یا کسی قیاسی اور اجتہادی دلیل کی بنیاد پر جو قطعی اور صریح دلیل کے خلاف نہ ہو، اجماع[2]

---

۱ اور ان اصحاب کا دار و مدار بھی ابن علیہ اور اصم پر ہے. گویا سارا اجتہاد صدیوں میں نمودار ہونے والے ایسے دو افراد کے اقوال پر کھڑا ہے جنہیں سوائے چند کتاب خوانوں کے اُمت کے خاص و عام جانتے تک نہیں -- یہ تو ایسا ہی ہے جیسے بعد کے دور میں کوئی محقق یہ انکشاف کرے کہ فلاں وکیل اور فلاں پروفیسر اور فلاں ایڈیٹر مساواتِ دیت کا قائل تھا - (ف - ص)

۲ اجماع منعقد ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اہلِ خلافت، اہلِ شوریٰ اور علماء و قضاۃ کسی ضعیف الاسناد حدیث کی کمزور سند کے ساتھ اُس مجموعی ذہن اور عملی روش (سنت) کو دیکھتے ہیں جو یہ واضح کرتی ہے کہ ایک معاملہ اگرچہ کمزور سند کے ساتھ ریکارڈ ہوا ہے. مگر اصلاً وہ درست تھا - یہ اتفاق ہے کہ قبولِ عام کی وجہ سے زیادہ بحثا بحثی نہ ہوئی اور بہت سی مضبوط روایات ریکارڈ پر نہیں آسکیں لیکن صحابہ اور قرونِ اُولیٰ کی سوسائٹی جسے حضورؐ نے خاص تربیت سے تیار کیا تھا - خود اس کا طرزِ عمل بھی تو ایک ریکارڈ ہے. کسی معاملے میں یہ طرزِ فکر و عمل غیر اختلافی ہو تو وہ (باقی بر صفحہ ۸۴)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منعقد ہو جائے تو وہ قطعی حکم بن جاتا ہے اس لیے کہ اجماع قطعی دلیل ہے۔ چونکہ اجماع کے قطعی دلیل ہونے کا مسئلہ ہمارے درمیان اختلافی نہیں ہے اس لیے اس کے دلائل بیان کرنا تحصیلِ لاحاصل اور طولِ لاطائل ہے اور اجمالی بیان اور اشارات میں نے کر دیئے ہیں۔

ج۔ دوسری بات قادری صاحب سے پوچھنی ہے کہ اگر امام بیہقی کے نزدیک یہ حدیث بالکل ناقابلِ استدلال ہے اور شدید ترین درجے کا ضعف رکھتی ہے تو پھر اُنہوں نے مرد اور عورت کے قتل کی دیت کے برابر ہونے کا فتویٰ کیوں نہیں دیا؟ بیہقی نے تو اپنے امام شافعیؒ کے مسلک کی تائید کی ہے اور اُن کا قولِ جدید یہ بیان کیا ہے کہ قتلِ نفس اور زخموں دونوں کی دیت نصف ہے، جب کہ امام شافعی کا قولِ قدیم یہ تھا کہ زخموں کی دیت ⅓ تک برابر ہے اور اس کے بعد زخموں کی دیت بھی قتل کی دیت کی طرح نصف ہے، جیسا کہ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا مسلک یہی ہے، لیکن بعد میں امام شافعیؒ نے اس سے رجوع کر لیا تھا۔ آپ کہتے ہیں کہ جس نے یہ حدیث نقل کی ہے اُس نے فیصلہ بھی کر دیا ہے کہ حدیث ضعیف ہے، لیکن حدیث نقل کرنے والے نے تو ضعیف کہنے کے باوجود فیصلہ اُس کے مطابق کیا ہے۔ اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ بیہقی کے نزدیک بھی اس حدیث کی کمزوری سند کے اعتبار سے ہے، اصل مضمونِ حدیث درایتاً قابلِ قبول ہے اس لیے کہ اس کی تائید میں اجماعِ صحابہؓ اور تعاملِ اُمت اور سنتِ خلفاءِ راشدین موجود ہے۔ پس یہ حدیث ضعیف الاسناد ہونے کے باوجود "مؤیَّد بالتّعامل" ہونے کی وجہ سے قابلِ استدلال اور قابلِ عمل ہے۔

د۔ تیسری بات یہ ہے کہ جرح "غیر مفسّر" معتبر نہیں ہے، یعنی حدیث یا اس کے راوی کے ضعیف ہونے کی وجہ بیان کیے بغیر ضعف اور جرح کا حکم لگانا قابلِ قبول نہیں ہے۔ جرح کو توثیق و تعدیل پر ترجیح دینے کا قاعدہ اس صورت کے لیے مقرر کیا گیا ہے جب اس کے ساتھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

بجائے خود ایک دلیل محکم ہے۔ اس پر اُس وقت بھی اور بعد کے ادوار میں بھی اجماع منعقد ہوتا ہے اور پھر یہ اجماع خود بھی دلیل بن جاتا ہے۔ (ا۔ت۔ح)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

واضح طور پر مجروح و مطعون ہونے کی وجہ بھی بیان کی گئی ہو۔ اس لیے کہ جرح و تعدیل اجتہادی چیز ہے، ایک کا اجتہاد دوسرے کے خلاف حجت نہیں بن سکتا۔ ہوسکتا ہے کہ ایک کے خیال میں کوئی چیز عیب ہو اور دوسرے کے نزدیک وہ عیب نہ ہو، تو جب تک کوئی راوی سب کے نزدیک بالاجماع مجروح نہ ہو یا کسی نے اس کا کوئی حقیقی عیب ثابت نہ کیا ہو اس وقت تک اس کی روایت کو رد نہیں کیا جاسکتا۔

اس اصول کی مزید وضاحت کے لیے درج ذیل کتب کا مطالعہ کیا جائے۔

۱۔ الکفایہ فی علم الروایہ از خطیب بغدادیؒ متوفی ۴۶۳ھ، طبع مدینہ ص ۱۰۸، ۱۰۹

۔ علوم الحدیث از ابن صلاحؒ متوفی ۶۴۳ھ طبع مدینہ ص ۹۶

۔ لسان المیزان از ابن حجرؒ متوفی ۸۵۲ھ، جلد ۱ ص ۱۶ (شرح نخبۃ الفکر از ابن حجر)

۔ الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل از مولانا عبدالحی متوفی ۱۳۰۴ھ ص ۹۶ تا ۹۹۔

۔ مقدمہ اعلاء السنن فی قواعد علوم الحدیث از مولانا ظفر احمد عثمانی متوفی ۱۳۹۴ھ طبع کراچی۔ فصل ۰۔ ص ۱۰۳ تا ۱۲۱۔

س ۔ چوتھی بات یہ ہے کہ بیہقیؒ نے عورت کی دیت کے نصف ہونے کی یہ روایت حفص بن عبداللہ حدثنی ابراہیم بن طھمان عن بکر بن خُنیس عن عبادہ بن نُسَیّ عن ابن غنم عن معاذ بن جبلؓ کی سند کے ساتھ نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ عبادہ بن نُسَیّ سے یہ روایت دوسرے سند کے ساتھ بھی نقل ہوئی اور اس کے سند میں ضعف ہے۔ (سنن کبریٰ باب دیت المراۃ۔ جلد ۸۔ ص ۹۵۔)

مولانا ظفر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں کہ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ بیہقیؒ نے دوسری سند کو ضعیف کہا ہے جو سنن کبریٰ کے باب دیت التمیع میں اس طرح نقل کی گئی ہے۔ رِشْدِین بن سَعْد عن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عبد الرحمٰن بن زیاد بن انعم الافریقی عن عتبہ بن حمید عن عبادہ بن لسی عن ابن غنم عن معاذ بن جبل ۔ (سنن کبریٰ از بیہقی جلد ۸ ، ص ۸۵) اس سند میں رشد بن سعد اور عبد الرحمٰن بن انعم افریقی آتے ہیں جن کو امام بیہقیؒ نے متعدد مقامات پر ضعیف قرار دیا ہے ۔ امام ترمذی نے بھی سنن ترمذی میں ان کو متعدد مقامات پر ضعیف قرار دیا ہے ۔ اسماء الرجال کی کتابوں میں بھی ان دونوں پر کافی جرح کی گئی ہے ۔ عورت کی دیت کے بارے میں بھی دوسرا سلسلۂ سند یہی ہوگا جو کانوں کی دیت کے بارے میں نقل ہوا ہے اور اس کا ضعف مذکورہ بالا دو راویوں کی وجہ سے ہوگا ۔ (اعلاء السنن جلد ۱۸ ص ۱۶۹) ۔

راویوں کے مطعون ہونے کا دعویٰ

جناب پروفیسر قادری صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے راوی حفص بن عبد اللہ بکر بن خنیس اور ابراہیم طہمان بھی مطعون ہیں ۔"

قادری صاحب کو میزان الاعتدال میں ان راویوں پر جرح اور اعتراض کے کچھ اقوال شاید مل گئے ہوں گے ۔ لیکن اگر جرح کے چند اقوال تلاش کر لینے ہی کو تحقیق کا حق ادا کرنا سمجھ لیا جائے اور دوسری جانب کے اقوال کو نظر انداز کرنے کا فیصلہ کر لیا جائے تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ تک مطعون قرار دے دیئے جائیں گے ، جرح تو لوگوں نے اُن پر بھی کی ہے ۔ بلکہ امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری کی روایات اور ان کے راویوں پر بھی جرح کرنے والوں نے جرح کی ہے ۔ جرح و تعدیل کے کچھ اُصول ہیں ، اُن کو ملحوظ رکھنا لازمی ہے ۔ ان اُصولوں کی جانب اشارہ اور متعلقہ کتب کا حوالہ سطور بالا میں دے دیا گیا ہے ۔ لیکن آیئے ذرا تفصیل کے ساتھ مذکورہ حدیث کے راویوں کے حالات معلوم کریں کہ وہ کیسے تھے ؟

۱ ۔ حفص بن عبد اللہ بن راشد ابو عمرو النیشاپوری متوفی ۲۰۹ھ ۔

میزان الاعتدال ہی کے مصنف شمس الدین ذہبیؒ تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں :-

" نیشاپور کے عالم اور قاضی تھے ، ابراہیم طہمان کے شاگرد تھے ، اس سے انہوں نے بہت سی روایات حاصل کی تھیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ امام نسائی نے فرمایا ہے کہ ان میں کوئی عیب نہیں تھا ۔ ابن عقیل فرماتے ہیں کہ یہ ۲۰ سال تک قاضی رہے ہیں اور یہ فیصلوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں اپنی ذاتی رائے کو دخل نہیں دیتے تھے" (تذکرۃ الحفاظ - جلد ۱ ص ۳۶۸)۔

حفص بن عبد اللہ کے ترجمے پر ذہبیؒ نے بخاری، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ کی جانب اشارہ کرنے والے حروف لکھے ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ یہ مذکورہ ائمہ کے راویوں میں سے ہیں۔ ابن حجر نے لکھا ہے کہ یہ صَدُوق یعنی راستباز اور سچے راوی تھے (تقریب التہذیب ص ۷۸)۔

۲۔ ابراہیم بن طَہمان الامام الحافظ ابوسعید الہروی النیشاپوری المتوفی ۱۶۳ھ

امام بخاریؒ کے استاد اسحٰق بن راہویہ فرماتے ہیں یہ صحیح حدیثیں نقل کرنے والے تھے۔ امام احمد نے ان کو صالحین میں شمار کیا تھا۔ ذہبی نے اس پر صحاح ستہ کا نشان (ع) لگایا ہے یعنی ان سب کی کتابوں میں ان کی روایات نقل ہوئی ہیں (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۲۱۳)۔ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ یہ ثقہ راوی تھے۔ ان پر مرجئہ ہونے کا الزام لگایا گیا تھا لیکن کہا جاتا ہے کہ اس نے ارجاء سے رجوع کر لیا تھا (تقریب ص ۲۰)

واضح رہے کہ مرجئہ کا الزام امام ابوحنیفہؒ پر بھی لگایا گیا تھا۔ بلکہ ابن ابی الحدید نے تو شرح نہج البلاغہ میں مرجئہ کے مذہب کا بانی حضرت معاویہؓ کو قرار دیا ہے (نعوذ باللہ)۔ دراصل مبتدعین کی عادت یہ ہے کہ وہ اپنی بدعت کو اہل سنت کے ائمہ کی جانب منسوب کرتے رہتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ مرجئہ دو قسم کے ہیں ایک وہ جو عمل کو سرے سے ضروری ہی نہیں سمجھتے تھے، یہ مرجئہ اہلِ بدعت اور مرجئہ ملعونہ کہلاتے ہیں۔ دوسری قسم ہے مرجئہ اہلِ سنت یا مرجئہ مرحومہ جو عمل کو ضروری اور لازمی سمجھتے ہیں لیکن عمل نہ کرنے والے کو ملت اسلامیہ سے بالکل خارج نہیں سمجھتے بشرطیکہ عقیدہ درست ہو ایسے مرجئہ تو تمام اہلِ سنت ہیں (الملل والنحل از شہرستانی۔ التمہید فی بیان التوحید از ابو شکور سالمیؒ)۔

بہر حال صحاح ستہ کے راویوں کو مطعون کرنا نہ انصاف ہے اور نہ تحقیق ہے، بلکہ کچھ اور چیز ہے۔ خطیب بغدادیؒ نے ابراہیم بن طہمان کی توثیق یحییٰ بن معین اور دوسرے ائمہ سے نقل کی ہے اور مرجئہ ہونے کے الزام کا ذکر اور پھر اس کی حقیقت بھی بیان کی ہے کہ یہ اہلِ بدعت والا ارجاء نہیں تھا، بلکہ اہل سنت والا ارجاء تھا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے (تاریخ بغداد از خطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ھ طبع بیروت جلد ۶ ص ۱۰۵ تا ۱۱۱)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳ — بکر بن خُنیش الکوفی :-

ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ عابد اور صدوق تھے ، بغداد میں رہائش اختیار کر لی تھی ، لیکن اُن سے غلطیاں بھی ہو جاتی تھیں ، مگر ابن حبانؒ نے ان کے بارے میں افراط (انتہا پسندی) سے کام لیا ہے ۔ ابن حجر نے اس پر ترمذی اور ابن ماجہ کا نشان لگایا ہے ۔

تاریخِ بغداد میں اگرچہ لَیْسَ بِمَتْرُوک کا قول بھی نقل ہوا ہے ۔ یعنی ''یہ بالکل قابلِ ترک نہیں ہے'' لیکن زیادہ اقوال لَیْسَ بِشَیٍٔ ، متروکٌ ، ضعیف وغیرہ کے آئے ہیں یعنی یہ کچھ بھی نہیں ، قابلِ ترک ہے اور ضعیف ہے ۔ مگر یہ جرح ''غیر مفسَّر'' ہے ۔ یعنی مطعون ہونے کی وجہ بیان نہیں کی گئی ۔ اور جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے غیر واضح جرح معتبر نہیں ہے (تاریخ بغداد جلد (؟) ص ۸۸ تا ۹۰) ۔

بہر حال امام ترمذیؒ نے اس کی روایات نقل بھی کی ہیں اور ان پر استدلال بھی کیا ہے ۔ اس لیے یہ اگرچہ اعلیٰ درجے کے ثقہ تو نہیں ہیں لیکن قابلِ قبول ہیں ۔

۴ — عُبادہ بن نُسَیّ الکندیؒ :-

ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ اور فاضل شخص تھے (تہذیب التہذیب فی الکنیٰ ۔ نمبر ۱۷۲۸ ، تقریب ص ۱۶۵) ۔

۵ — عبد الرحمٰن بن غَنْم الاشعری متوفی ۷۸ھ :-

یہ ثقہ کبار تابعین میں سے تھے اور ثقہ تھے ، بلکہ بعض کے نزدیک صحابی تھے (تقریب ص ۲۰۸) ۔

یہ ہیں وہ راوی جن کو قادری صاحب مطعون اور ناقابلِ قبول کہتے ہیں ۔ قارئین خود فیصلہ کر لیں کہ بات کتنی ہے اور اسے کیا بنا کر عوام کی عدالت میں پیش کر دیا گیا ہے ۔ حالانکہ اس کے لیے موزوں اور مناسب جگہ سپریم کورٹ کا شرعی بنچ ہے جو ان علمی باریکیوں کو سمجھ سکتا ہے ۔

س — پانچویں اور آخری بات اس حدیث کے بارے میں مجھے یہ عرض کرنی ہے کہ اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ حدیث راویوں کے دونوں سلسلوں کے اعتبار سے سنداً ضعیف ہے پھر بھی یہ درایتاً اپنے مفہوم کے اعتبار سے قابلِ استدلال ہے اس لیے کہ سلفِ صالحین کا عمل اور اُمت کا تعامل اس کے مطابق ہے (تَلَقِّی بالقبول) امام جصّاص حنفی فرماتے ہیں :-

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"تعاملِ امت کی وجہ سے خبرِ واحد بھی متواتر حدیث کا درجہ حاصل کر لیتی ہے مثلاً لونڈی کی طلاقیں دو ہیں اور آخری حد بھی دو ہے اور اس کی عدت بھی دو حیض ہے۔ یہ خبرِ واحد اور [illegible] اس کا راوی صرف ایک ہے، لیکن تعاملِ امت کی وجہ سے [illegible]" (احکام القرآن - جلد ۱ ص ۳۸۶)۔

نیز [illegible] کی ممانعت کی حدیث، وارث کے لیے وصیت کی ممانعت کی حدیث اور قاتل کو مقتول کی میراث سے محروم کرنے کی حدیث اور اس نوع کی متعدد احادیث ہیں، جو [illegible] کمزور اور ضعیف ہونے کے باوجود تعاملِ امت کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ قابلِ قبول ہیں، بلکہ حدیثِ متواتر کے درجے کی ہیں۔ ابن الہمام فرماتے ہیں کہ ترمذی جب ضعیف حدیث کے بارے میں کہتا ہے کہ اس پر اہلِ علم کا عمل ہے تو اس کے معنی یہی ہوتے ہیں کہ سلف کے عمل کی وجہ سے یہ حدیث ضعیف ہونے کے باوجود قابلِ عمل اور قابلِ استدلال ہے۔ مولانا عبدالحیؒ نے "الاجوبۃ الفاضلۃ" میں اس قاعدے کی بڑی اچھی تفصیل بیان کی ہے اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے بھی مستند کتابوں کے حوالے سے مثالیں دے کر اس قاعدے کو ثابت کیا ہے۔ (مقدمہ اعلاء السنن فی قواعد علوم الحدیث ص ۳۹ - ۴۰)

عبداللہؓ بن عمرو بن عاصؓ کی روایت

معاذ بن جبلؓ کی حدیث کی صحت کے دلائل (یا سنداً ضعیف ہونے کے باوجود درایتاً حدیث مقبول ہونے کے دلائل) تو آپ نے دیکھ لیے، اب دوسری حدیث مرفوع ملاحظہ کیجیے!

"عبداللہ بن عمرو بن عاص فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کے برابر ہے یہاں تک کہ ثلث تک پہنچ جائے"۔

— سنن نسائی کتاب القود، باب عقل المراۃ۔

— سنن دارقطنی، کتاب الحدود والدیات۔

— جامع الاصول، کتاب الدیات۔

— جامع الاصول، کتاب الدیات۔

— مصنف عبدالرزاق جلد ۹ - ص ۲۹۶ -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

— کنز العمال جلد ۱۵ ص ۵۳۔

— منتقی الاخبار مع نیل الاوطار۔ کتاب الدیات، باب دیۃ المرأۃ۔

— بلوغ المرام از ابن حجر عسقلانی، کتاب الدیات۔

اس حدیث کو اگرچہ حنفیہ کی کتابوں میں ضعیف قرار دیا گیا ہے اور اس کے ضعف کی بنیاد پر حنفیہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ قتل اور زخموں کی دیت قلیل کثیر دونوں میں نصف ہے۔ شافعیہ کا مسلک بھی یہی ہے، لیکن مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے۔ شہرۂ آفاق محدث ابن حجرؒ نے بلوغ المرام میں لکھا ہے کہ ابن خزیمہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ بلوغ المرام کی شرح سبل السلام میں بھی اس حدیث کو صحیح کہا گیا ہے۔ اس کی سند میں اگرچہ اسمٰعیل بن عیاش آیا ہے، جس پر جرح کی گئی ہے، لیکن اس کی توثیق بھی کئی لوگوں نے کی ہے۔ صحاح ستہ کی مشہور کتاب سنن نسائی نے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ اس حدیث میں ایک تہائی کے بعد زخموں اور قتل دونوں کی دیت کے نصف ہونے کا صریح حکم رسولؐ موجود ہے۔

عمرو بن حزم کی روایت (مکتوب نبوی): قادری صاحب فرماتے ہیں کہ عمرو بن حزم کے ذریعے اہل یمن کے نام جو مکتوب رسول اللہؐ نے بھیجا تھا، اس میں یہ جملہ موجود نہیں ہے کہ "عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے"۔

یہ جملہ یقیناً احادیث کی متداول کتابوں میں موجود نہیں ہے۔ اور ابن حجرؒ نے "تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر" میں لکھا ہے کہ یہ جملہ اس مکتوب طویل میں موجود نہیں ہے جو عمرو بن حزم کے ذریعے اہل یمن کو بھیجا گیا تھا۔ لیکن "رافعی کبیر" اور ابن قدامہ نے المغنی جلد ۸، ص ۴۰۲ پر مسئلہ نمبر ۶۸۵۰ میں مکتوب نبوی میں اس اضافے کو نقل کیا ہے۔ ان دونوں ثقہ و محققین اہل علم نے جب اس اضافے کو نقل کیا ہے تو کسی ماخذ سے ہی نقل کیا ہوگا۔ ان پر عدم اعتماد کی کوئی معقول وجہ موجود نہیں ہے۔ جبکہ اس کی تائید میں معاذ بن جبل کی مرفوع حدیث اور اقوال صحابہ بھی موجود ہیں۔ لیکن میرا اصل استدلال عمرو بن حزم کی روایت پر نہیں ہے، بلکہ معاذ بن جبل کی حدیث، عبداللہ بن عمرو بن عاص کی حدیث، اقوال صحابہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اجماعِ امت اور سنتِ خلفائے راشدین میرے اصل دلائل ہیں

پھر دفیسر قادری صاحب کی ایک اور دلیل | رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ مومن کے قتل کی دیت سو اونٹ ہے۔ اگرچہ یہ حدیث عام ہے اور اس میں مرد اور عورت کا فرق بیان نہیں کیا گیا۔

تبصرہ وتجزیہ | اس حدیث کے صحیح اور عام ہونے سے انکار نہیں ہے، لیکن معاذ بن جبلؓ کی حدیث جس کی تلقی بالقبول امت نے کی ہے اس وجہ سے نہ صرف یہ کہ قابلِ قبول ہے بلکہ قوی تر دلیل کی حیثیت رکھتی ہے اور اسی طرح اجماعِ صحابہؓ نے اس کے عموم میں تخصیص کر دی ہے کہ نفس مومنہ سے مراد مرد ہے، عورت کا حکم دوسری روایات میں بیان ہوا ہے۔ حدیث کی تخصیص وتشریح دوسری احادیث سے بھی ہو سکتی ہے اور اجماعِ امت سے بھی ہو سکتی ہے۔ یہ حدیث کے نسخ کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ حدیث کی تعبیر وتشریح کا مسئلہ ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ امت کے مجتہدین جب کسی تعبیر پر متفق ہو جائیں تو وہی تعبیر صحیح سمجھی جائے گی۔ اس کے مقابلے میں انفرادی تعبیر وتشریح کی قانونی حیثیت کچھ نہیں ہوگی۔

قادری صاحب کی ایک اور بنائے استدلال | حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا "مسلمانوں کا خون برابر ہے"۔ جناب قادری صاحب کا دعویٰ ہے کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مرد اور عورت کی دیت کی مقدار بھی برابر ہے۔ اپنے دعوے کے ثبوت میں انہوں نے شیخ عبدالحق صاحب کی کتاب اشعۃ اللمعات، قاضی یوسف کی کتاب المعتصر من المختصر اور مولانا ظفیر الدین کی کتاب اسلام کا نظامِ امن کے حوالے دیئے ہیں کہ یہ حضرات بھی حدیث کی یہی تشریح کرتے ہیں۔ گویا ان کے نزدیک بھی مرد اور عورت کی دیت برابر ہے۔

تبصرہ وتجزیہ | یہ حدیث بالکل صحیح حدیث ہے جسے ابو داؤد، نسائی، مسند احمد، بیہقی اور مستدرک نے نقل کیا ہے۔ امام طحاوی حنفی نے اپنی کتاب مشکل الآثار میں بھی نقل کرکے اس کی تشریح کی ہے۔ کیا عجیب بات ہے کہ جلسے میں تقریر کے دوران قادری صاحب ترجمان القرآن کو سامنے رکھ کر حوالے دے رہے تھے جس سے تاثر دیا جا رہا تھا کہ ترجمان القرآن کا جواب دے رہے ہیں لیکن فوری وقت میں شائع شدہ لٹریچر میں ترجمان القرآن کی بحث کا کوئی جواب موجود نہیں ہے، بلکہ حدیث دیجون کی بات کو توڑ مروڑ کر بیان کرنے کا التزام لکھا گیا ہے۔ ترجمان القرآن کے جون اور ستمبر کے شمارہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بن درج بالا حدیث کا صحیح مفہوم اور طحاوی اور شیخ عبدالحق کی عبارات کا صحیح مفہوم وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے، جس کا جواب اب تک کسی نے نہیں دیا ہے، صرف توڑ نے موڑنے کا الزام لگایا ہے۔ ظاہر ہے کہ الزام صرف دعوٰی ہوتا ہے، جواب یا تحقیق نہیں ہوتی۔ قادری صاحب نے المعتصر کا حوالہ دیا ہے جس سے یہ تاثر لیا جاسکتا ہے کہ یہ امام طحاوی کی مشکل الآثار کے علاوہ کوئی دوسری کتاب ہے، حالانکہ یہ مشکل الآثار ہی کا خلاصہ ہے۔ چند قابلِ توجہ امور درج ذیل ہیں۔

ا — طحاوی نے مشکل الآثار میں درج بالا حدیث نقل کر کے تشریح اس طرح کی ہے:۔

"ہم نے سارے اہلِ علم کو اس بات پر متفق پایا ہے کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان قصاص اور دیات میں برابر ہیں اور یہ اونچ کو نیچ پر فضیلت دینے کی تردید کرتی ہے اور اس میں جاہلیت کی اس رسم کی تردید کی جارہی ہے کہ اونچ سے نیچ کا قصاص نہیں لیا جاتا تھا۔ اور اس حدیث سے ہم نے یہ بھی معلوم کر لیا کہ اس بارے میں عورتیں بھی مردوں کی طرح ہیں اور مرد کو عورت کے بدلے میں قتل کیا جائے گا، جس طرح کہ عورت کو مرد کے بدلے میں قتل کیا جاتا ہے۔ (مشکل الآثار جلد ۲ - ص ۹)

عربی الفاظ بھی ترجمان القرآن میں نقل کیے گئے ہیں اس عبارت پر غور کرنے سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ امام طحاوی نے ابتدا میں مردوں کے قصاص اور دیت میں برابری کا ذکر کیا ہے اور آخر میں مرد اور عورت کے درمیان صرف قصاص میں برابری کا ذکر کیا ہے، دیت کی مقدار میں مساوات کا ذکر نہیں کیا۔ اگر امام طحاویؒ مرد اور عورت کی دیت کی مقدار کے برابر ہونے کے قائل ہوتے تو صاف طور پر یہ لکھ دیتے کہ دونوں کی دیت بھی برابر ہے اور فقہ حنفی کی کتابوں میں بھی طحاوی کا مسلک اس طرح نقل نہیں ہوا۔ المعتصر میں امام طحاوی ہی کی یہ بات نقل کی گئی ہے، کوئی نئی بات نہیں کی۔

ب — شیخ عبدالحق کی فارسی عبارت دراصل طحاوی کی عبارت کا ترجمہ ہے اور مولانا ظفیر الدین نے شیخ عبدالحق کی فارسی عبارت کا اردو ترجمہ نقل کر دیا ہے۔ اس کا بھی وہی مطلب ہے جو طحاوی کی عبارت کا ہے کہ قصاص اور وجوب دیت میں اونچ نیچ اور مرد اور عورت کا فرق نہیں ہے، باقی رہی مرد اور عورت کی دیت کی مقدار کا مسئلہ تو ان تینوں حضرات نے اس مسئلے کو یہاں پر ذکر کیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہی نہیں ہے۔ اس بارے میں شیخ عبدالحق کا مسلک اُن کی عربی شرحِ مشکوٰۃ میں اس طرح بیان ہوا ہے۔

ان سقط حیاً ثم مات فیجب کمال دیۃ الکبیر فان کان ذکراً وجبت مأۃ من الابل وان کان انثی فخمسون لان دیتھا نصف دیۃ الرجل (لمعات از شیخ عبدالحق برحاشیہ مشکوٰۃ ص ۳۰۲ باب الدیات) ترجمہ: "اگر جنین (بچہ) ماں کے پیٹ سے زندہ گرا ہو اور بعد میں مرا ہو تو اس صورت میں پوری دیت واجب ہوگی۔ اگر لڑکا تھا تو ۱۰۰ اونٹ واجب ہوں گے اور اگر لڑکی تھی تو ۵۰ اونٹ دینے ہوں گے، اس لیے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے"۔

قادری صاحب نے فرمایا ہے کہ میں نے مشکوٰۃ کا پورا باب الدیات پڑھا ہے اور یہ کہ شیخ عبدالحق کی کتاب معروفِ عام ہے، ہر شخص کھلی آنکھوں سے پڑھ سکتا ہے۔ ہم نے کھلی آنکھوں سے پڑھی تھی اور آپ کے کہنے پر دوبارہ آنکھیں اور زیادہ کھول کر پڑھی ہے، مگر آپ نے مشکوٰۃ کے حاشیے پر درج بالا عبارت کیوں نہ پڑھی؟ آپ کی آنکھوں کو تو زیادہ بینا ہونا چاہیے تھا۔

ج — باقی رہا ابوالولید باجی کا حوالہ جس کے بارے میں قادری صاحب کا دعویٰ ہے کہ ان میں امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ سے بھی مرد اور عورت کی دیت کی برابری کا قول نقل ہوا ہے۔ جناب مجھے افسوس ہے کہ آپ بہت بڑی زیادتی کر رہے ہیں۔ آپ نے المنتقٰی کے جس صفحے کا حوالہ دیا ہے، اسی صفحے اور جلد کے حوالے سے (یعنی جلد ۷، ص ۸۰) ترجمان القرآن کے جنوری کے شمارے میں پورا عربی متن نقل کر دیا گیا ہے جسے ملک کے ہزاروں قارئین نے پڑھ لیا ہوگا۔ یہ زیادتی آپ خود اپنے ساتھ کر رہے ہیں، جب قارئین باجی کی اصل عبارت اور آپ کا دعویٰ پڑھیں گے تو سوچیے کہ وہ کیا رائے قائم کریں گے؟ آخر یہ معاملہ سپریم کورٹ کے شرعی بنچ میں بھی تو کسی وقت پیش ہوگا۔ کیا یہ مغالطے وہاں آپ کو کام دے سکیں گے؟ پوری عبارت دوبارہ غور سے پڑھیے۔ اور تلاشِ حق کی نیت سے پڑھیے۔ اس پوری عبارت کا تعلق زخموں کی دیت سے ہے، قتلِ نفس کی دیت سے نہیں ہے، اور آپ اس کو پیش کر رہے ہیں دیتِ نفس میں برابری کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ثبوت میں۔ آخر یہ استدلال کی کونسی قسم ہے؟ ابوالولید کا مقصد یہ ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ سے امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق بھی روایت منقول ہے کہ زخموں کی دیت قلیل کثیر دونوں میں مرد کی دیت سے نصف ہے۔ اور امام مالکؒ کے مسلک کے مطابق بھی ان سے ایک روایت آئی ہے کہ زخموں کی دیت ثُلث دیت تک تو برابر ہے لیکن اس کے بعد زخموں کی دیت بھی نصف ہے۔ ترجمان القرآن میں دو واضح قسم کے قرآئن سے ثابت کیا گیا ہے کہ انها على دية الرجل في القليل والكثير وبه قال ابوحنيفة والشافعي وروى عنهما (أي عن عمرؓ وعليؓ) مثل قولنا (أي المالكية) میں لفظ "نصف" رہ گیا ہے یا کاتب سے یا خود مصنف سے۔ آپ خود ماشاءاللہ عربی جانتے ہیں کیا على دية الرجل کے معنے "مرد کی دیت کے برابر" ہوسکتے ہیں؟ کیا لفظ علیٰ کہیں مثل کے معنوں میں آیا ہے؟ وبه قال کے معنے تو یہ ہیں کہ یہی ابوحنیفہؒ اور شافعیؒ کا مسلک ہے۔ پھر کیا ان دونوں ائمہ کا مسلک یہی ہے کہ قتلِ عورت کی دیت مرد کی دیت کے برابر ہے؟ المنتقی میں حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے مروی جو قول نقل ہوا ہے یہ وہی قول ہے جسے بیہقی نے اس طرح نقل کیا ہے۔ جراحات النساء على النصف من دية الرجل فيما قل وكثر وجراحة الرجال والنساء سواء إلى الثلث (سنن کبریٰ جلد ۸۔ ص ۹۶، ۹۷)۔

د۔ قادری صاحب کا دعویٰ ہے کہ مصنف ابن ابی شیبہ کے مخطوطہ میں حضرت عمرؓ سے عورت اور مرد کی دیت میں برابری بھی ثابت ہے۔

میرے پاس مصنف ابن ابی شیبہ کی مطبوعہ پہلی پانچ جلدیں تو موجود ہیں، لیکن باقی جلدوں کا مخطوطہ موجود نہیں ہے اس لیے اصل عبارت میرے پیش نظر نہیں ہے اور قادری صاحب نے عبارت نقل نہیں کی ہے صرف دعویٰ کیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ حضرت عمرؓ سے قتلِ نفس کی دیت میں برابری کا کوئی قول مروی نہیں ہے، ہاں زخموں کی دیت میں ۳/۱ تک برابری کی ایک روایت حضرت عمرؓ سے مروی ہے۔ قادری صاحب کو چاہیے کہ اصل عربی عبارت کا پورا متن شائع کرائیں تاکہ پتہ چلے کہ بات کیا ہے اور پیش کس طرح کی گئی ہے؟ آخر مصادر و مراجع تک آپ کے علاوہ دوسروں کی بھی رسائی ہوسکتی ہے۔ حقیقت کو محض دعووں سے تو چھپایا نہیں جاسکتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اقوالِ صحابہؓ کے ثابت نہ ہونے کا دعویٰ پروفیسر صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ میں وثوق، اعتماد اور ذمہ داری کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ وغیرہم کے اقوال عورت کی دیت کے نصف ہونے کے بارے میں ثابت نہیں ہیں۔

تبصرہ و تجزیہ اچھا ہوا کہ قادری صاحب نے یہ بحث چھیڑ دی۔ اس کی وجہ سے مجھے بات کو مزید واضح کہنے کا موقع مل گیا ہے۔

ا۔۔ اس بارے میں پہلے تو علمِ اصولِ حدیث کا ایک قاعدہ ذہن نشین کر لینا چاہیے جو یہ ہے کہ تابعی یا تبع تابعی جب اپنے استاد کا حوالہ دیئے بغیر رسول اللہ یا کسی صحابیؓ کا کوئی قول یا فعل نقل کرے تو اس کو حدیثِ مرسل کہتے ہیں (بالمعنی العام)۔ ایسی روایت حجت ہے یا نہیں؟ امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا قول مشہور یہ ہے کہ حجت ہے، بشرطیکہ راوی خود ثقہ ہو۔ بلکہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک تو یہ ہے کہ تابعی اور تبع تابعی کی حدیث مرسل اس کی حدیثِ متصل سے بھی قوی تر ہوتی ہے۔ اس لیے کہ جب یہ یقین کے ساتھ اپنے شیخ کا نام لیے بغیر رسول اللہ یا صحابیؓ کا قول نقل کرتا ہے تو اس کو سند کی صحت اور اپنے شیخ کے ثقہ ہونے پر پورا یقین ہوگا۔

امام شافعی کی رائے یہ ہے کہ حدیث مرسل حجت نہیں ہے، مگر کچھ شرائط کے ساتھ امام شافعیؒ بھی اسے حجت تسلیم کرتے ہیں۔ وہ شرائط یہ ہیں:

ا۔۔ مرسل حدیث کی تائید میں کوئی دوسری متصل یا مرسل روایت موجود ہو۔

۲۔۔ اس کی تائید میں کسی صحابی کا قول یا اکثر اہلِ علم کا قول موجود ہو۔

۳۔۔ حدیث مرسل کے راوی کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ وہ مجروح راویوں سے روایت نقل نہیں کرتے تھے، بلکہ ثقات ہی سے روایات نقل کرتے تھے، ایسے راوی کی مرسل روایت بھی حجت ہے۔ اس قاعدے اور بیانِ مذاہب کے لیے درج ذیل مصادر کی طرف رجوع کیجیے۔

۔۔ الکفایہ از خطیب بغدادی ص ۳۸۴۔ اصولِ بزدوی ص ۱۷۱۔ الاحکام از آمدی جلد ۲ ص ۱۷۷ تا ۱۸۰۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت عمرؓ نے قاضی مقرر کیا تھا اور حضرت علیؓ کے زمانے تک کوفہ کے قاضی رہے تھے۔ اسی درجہ کے دیگر بڑے تابعین ہیں جن کی مراسیل بالاجماع صحیح اور بمنزلہ متصل تسلیم کی گئی ہیں۔

ج ـــ ان دو قواعد کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد اب آئیے حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ کے اقوال کے اسانید کی طرف:

۱۔ "امام محمدؒ امام ابوحنیفہؒ سے، وہ حمادؒ سے، وہ ابراہیم نخعی سے اور وہ حضرت علیؓ سے نقل کرتے ہیں کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے قتل میں بھی اور زخموں میں بھی۔"

۲۔ "امام محمدؒ، محمد بن ربان بن صالح قرشی سے، وہ حمادؒ سے، وہ ابراہیم نخعی سے اور وہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ دونوں سے نقل کرتے ہیں کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے قتل اور زخموں دونوں میں۔ عمرؓ اور علیؓ دونوں سے مروی اس روایت کے خلاف دوسری روایت پر عمل نہیں کرنا چاہیئے۔" (کتاب الحجۃ از امام محمدؒ متوفی ۱۸۹ھ طبع لاہور ج ۴ ص ۲۷۸، ۲۸۴)

یہ اس کتاب کا حوالہ ہے جس کے مطالعے کا مشورہ قادری صاحب نے دیا ہے کہ اس کے حاشیے کو بھی دیکھ لیا جائے۔ حاشیے میں زخموں کی دیت کے ثلث تک برابر ہونے تک دلالت کرنے والی روایات کو تو ضعیف قرار دیا ہے اور مطلق دیت کے نصف ہونے کو ثابت کیا ہے۔ لیکن درج بالا حدیث کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ حدیث امام ابوحنیفہؒ کی جامع المسانید ج ۲ ص ۱۸۰، اور امام محمدؒ کی کتاب الآثار میں بھی موجود ہے۔ اب بتائیے کہ اس کا کونسا راوی ضعیف اور کمزور ہے؟ اور ابراہیم نخعی کی مراسیل تو بالاجماع صحیح بلکہ اس کی مسندات سے بھی زیادہ قوی ہوتی ہیں۔ باقی تابعین کی روایت سے حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ اور دوسرے اصحاب کے اقوال کا تفصیلی ذکر مع حوالہ جات ترجمان القرآن شمارہ جون میں موجود ہے۔

۳۔ امام بیہقیؒ نے اپنے سند کے ساتھ امام شعبیؒ سے نقل کیا ہے کہ حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے۔ "عورتوں کے زخموں کی دیت بھی مرد کے زخموں کی دیت سے نصف ہے، قلیل وکثیر دونوں میں۔" بیہقی نے اس کے سند پر کوئی جرح نہیں کی اور اس کے بعد ابراہیم نخعی سے حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ کا بھی قول اسی سند کے ساتھ نقل کیا ہے جو امام محمد کی کتاب الحجۃ میں نقل ہوا ہے۔ ساتھ ہی فرمایا ہے کہ ابراہیم کی سند اگرچہ منقطع ہے مگر شعبی کی روایت کو اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے تائید ملتی ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۸ ص ۹۶)

اس کے معنی یہی ہیں کہ بیہقی کے نزدیک شعبیؒ کی حدیث منقطع نہیں ہے۔

واضح رہے کہ امام شعبیؒ علامۃ التابعین الحافظ الامام کے القاب سے یاد کئے جاتے تھے۔ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ یہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے وسط میں پیدا ہوئے تھے۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۷۹)

بعض کے نزدیک ۱۷ھ اور بعض کے نزدیک ۲۱ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی ملاقات ۵۰۰ صحابہ سے ہوئی تھی (بعض کے نزدیک ۵۰ صحابہ سے ملاقات ہوئی تھی) ان کی تاریخ وفات میں ۴ اقوال نقل ہوئے ہیں ۱۰۳ھ ۱۰۴ھ ۱۰۵ھ ۱۰۶ھ (مقدمہ تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۵۶۴ تا ۵۹۴ بحوالہ ابن خلکان)

حضرت عمرؓ سے تو اس کی روایت مرسل ہے لیکن حضرت علیؓ سے اس کی روایت بعض محدثین کے نزدیک ثابت ہے۔ صحیح بخاری کتاب الحدود باب رجم المحصن میں شعبیؒ کی روایت یحدث عن علیؓ کے الفاظ کے ساتھ آئی ہے اور حدث کا لفظ براہ راست روایت کے لئے استعمال ہوتا ہے نیز امام بخاری اپنی جامع صحیح میں مرسل اور منقطع روایات لاتے ہی نہیں ہیں ان دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ شعبیؒ کی ملاقات اور روایت حضرت علیؓ سے ثابت ہے۔ بعض کے نزدیک رجم کی حدیث انہوں نے حضرت علیؓ سے سنی تھی جو بخاری میں آئی ہے لیکن دوسری کوئی حدیث براہِ راست حضرت علیؓ سے انہوں نے نہیں سنی۔ بہر حال اگر یہی بات صحیح ہو پھر بھی کوئی اثر نہیں پڑتا اس لئے کہ شعبیؒ کے مراسیل بالاجماع صحیح اور مسندات کی ہم پایہ ہوتی ہیں

اجماع کے ثابت نہ ہونے کا دعویٰ جناب قادری صاحب کا دعویٰ ہے کہ یہ مسئلہ شروع سے مختلف فیہ رہا ہے اور اجماع ہونے کے بیانات جذبات کی شدت کے مظہر ہیں۔ اس کے بعد کچھ اقوال نقل کئے ہیں۔

تبصرہ و تجزیہ آپ نے جو اقوال نقل کئے ہیں اور اس کے علاوہ اور بھی تلاش کئے جا سکتے ہیں۔ یہ سارے اقوال زخموں کی دیت سے متعلق ہیں جو زیر بحث مسئلہ نہیں ہیں۔ میں نے پہلے بھی عرض کیا ہے۔ اب دوبارہ عرض کر رہا ہوں برائے مہربانی قتل نفس کی دیت کے برابر ہونے کا کوئی ایک قول کسی صحابیؓ، تابعیؒ یا تبع تابعی کا نقل کیجئے، سامنے لائیے، اسے پوشیدہ نہ رکھئے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہ صورت دیگر آپ کے اس دعوے کی آخر کیا حیثیت رہے گی کہ یہ مسئلہ شروع ہی سے مختلف فیہ رہا ہے۔ ابن علیہ اور اصم کا تعارف تو آگے آرہا ہے۔ ان کے علاوہ کسی فقیہ کا قول پیش کیجیے جس نے قتل نفس کی دیت میں برابری کا فتویٰ دیا ہو۔

باقی رہی جذبات کی بات تو کیا امام شافعیؒ، ابن جریر طبریؒ، شمس الائمہ سرخسیؒ، محمد بن المنذرؒ، ابن عبدالبرؒ، ابن جوزیؒ، کاشانیؒ، ابن قدامہ حنبلیؒ، امام قرطبیؒ، ابن رشد مالکیؒ، قاضی شوکانیؒ اور دیگر ممتاز اور مشہور و معروف فقہا و محدثین کا دعوائے اجماع جذبات کا مظہر تھا؟ کیا یہ سب بزرگ جذباتی فیصلے کیا کرتے تھے۔ ہم نے اپنی طرف سے تو اجماع کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ یہ دعویٰ نسلاً بعد نسل چلا آرہا ہے۔ ہم نے تو صرف کتابوں کا حوالہ دے دیا ہے۔ ہم تو کسی ایک امام اور فقیہ کی رائے کے مقابلے میں بھی اپنی رائے پیش کرنے سے ڈرتے ہیں۔ کیونکہ ہم کو اپنا مبلغ علم معلوم ہے۔ قادری صاحب علم و اجتہاد کے اس منصب پر نہ جانے کیسے فائز ہوئے کہ آئمہ اربعہ اہلِ ظاہر اور اہلِ تشیع کے متفقہ قول کو جذباتی کہہ کر بے دریغ رد کر رہے ہیں۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ اجماع سکوتی ہے جو بعض آئمہ کے نزدیک حجت نہیں ہے۔ میں گزارش کروں گا کہ اجماع سکوتی نہیں بلکہ اجماع بہ شکلِ تعاملِ امت و سنت خلفاء راشدین ہے آخر جب حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نے عورت کی دیت کے نصف ہونے کا فیصلہ کیا اور یہ خلافت راشدہ کا قانون بنا تو خلافتِ راشدہ کے اختتام ۴۰ھ تک کسی صحابی نے اس پر تنقید کیوں نہ کی۔ اور اختلاف کیوں نہ کیا؟ ۴۰ھ کے بعد بھی قرن ثانی (تابعین) اور قرن ثالث (تبع تابعین) میں کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ اس کے بعد آنے والے محدثین اور فقہا میں سے بھی کسی نے مخالف رائے کا اظہار نہیں کیا (قتل خطا کی دیت کے مسئلے میں) ابن علیہ اور اصم کے علاوہ تو ہم کو کوئی قول فاروقیؓ اور مرتضویؓ فیصلے کے خلاف معلوم نہیں ہے۔ اختلاف آراء جو بھی ہے زخموں کی دیت میں ہے آخر یہ اجماع اور تعامل نہیں ہے تو کیا ہے؟

اجماع کے بارے میں مزید معلومات کے لئے ترجمان القرآن کے ستمبر کے شمارے کا مطالعہ کیجیے۔

ابن علیہ اور ابو بکر الاصم کا تعارف

قادری صاحب نے امام رازیؒ اور ابن قدامہ کے حوالے سے ابن علیہ اور ابو بکر الاصم کا مسلک نقل کیا ہے کہ یہ دونوں دیت میں مساوات کے قائل تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن رازیؒ نے اس قول کو فقہا کے فیصلے کے مقابلے میں نقل کر کے صرف واللہ اعلم کہا ہے۔ اس کی تائید نہیں کی اور ابن قدامہؒ نے اس قول کو شاذ اور مخالف اجماع کہہ کر رد کر دیا ہے (تفسیر کبیر ج ۱۰، ص ۲۳۴، المغنی ج ۸، ص ۴۰۲)

پہلے تو مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ عمرو بن حزم کے خط میں عورت کی دیت کے نصف ہونے کے اضافے کو ابن قدامہ نے نقل کیا ہے اور آپ اسے نہیں مانتے، اس لئے کتبِ احادیث میں یہ اضافہ موجود نہیں ہے، تو کیا ابن علیہ اور اصم کا یہ قول کسی کتاب میں سند صحیح کے ساتھ نقل ہوا ہے؟ اسے بھی تو ابن قدامہ نے نقل کیا ہے اور دوسری کتابوں میں بھی بغیر سند کے نقل ہوا ہے۔ آخر اس قول کا اسنادی وزن کیا ہے؟

دوسری بات یہ ہے کہ ابوبکر الاصم کے بارے میں لسان المیزان کے حوالے سے ترجمان القرآن کے جون اور جولائی کے شماروں میں ثابت کیا گیا ہے کہ یہ معتزلی تھے۔ جن کی رائے اہلِ سنت کے اجماع کے خلاف قابل قبول نہیں ہے۔ آپ ان کا مرتبہ بڑھانے کے لئے کہتے ہیں کہ مبسوط میں ان کا نام آتا ہے، لیکن اس شذ کا رد دلیل کی روشنی میں یہ بھی تو ملحوظ رکھئے کہ نام اور حوالہ تو ہماری کتابوں (بلکہ امہات الکتب) میں معتزلہ کا بھی آتا ہے بلکہ غیر مسلموں کا بھی۔ فی نفسہٖ بات اگر صحیح ہو تو اس کی تائید بھی کی جا سکتی ہے۔ لیکن آپ یہ ثابت کریں کہ مبسوط یا اہل سنت کی کسی دوسری کتاب میں اصم کے اس قول کی تائید بھی کی گئی ہے۔ طحاوی، باجی اور شیخ عبدالحق کے حوالوں کی حقیقت تو ہم بیان کر چکے ہیں۔

باقی رہا ابن عُلیَّہ تو پہلے یہ ثابت کریں کہ اس سے مراد اسمٰعیل بن عُلیَّہ ہے جو محدثین میں سے تھے اور امام شافعیؒ، امام احمدؒ وغیرہ آئمہ کے استاد تھے۔ اگر اس سے امام شافعیؒ کے استاد مراد ہیں تو کتاب الام میں امام شافعیؒ نے یہ کس طرح لکھ دیا کہ قدیم اور جدید علماء میں سے مجھے ایک عالم بھی معلوم نہیں ہے جو مرد اور عورت کی دیت کی برابری کا قائل ہو۔ (کتاب الام طبع بیروت ۱۹۷۳ء ج ۶، ص ۱۰۶)

اگر واقعی امام شافعیؒ کے استاد کی رائے مساوات کی تھی تو یہ اسے نقل کر کے تردید کرتے یا تائید کرتے۔ ادب سے گزارش ہے کہ ابن عُلیَّہ کے نام سے زیادہ مشہور اسمٰعیل کے بیٹے ابراہیم تھے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ دیت کی برابری کا قائل ابراہیم بن علیہ ہوگا۔ یہ ابراہیم کون تھا؟ لسان المیزان کے حوالے سے ترجمان القرآن میں ثابت کیا گیا ہے کہ یہ بدعقیدہ اور گمراہ کن شخص تھا۔ اس پر مزید خطیب بغدادی کا حوالہ پیش خدمت ہے۔

"ابراہیم بن اسمٰعیل ابن ابراہیم بن مقسم ابو اسحٰق البصری الاسدی (متوفی سنہ ۲۱۸ھ) یہ ابن علیہ کے نام سے مشہور تھا۔ متکلمین میں سے تھا اور خلقِ قرآن کا قائل تھا۔ امام شافعی کے اس کے ساتھ بغداد میں مناظرے اور مباحثے ہوتے رہتے تھے۔ یہ خبرِ واحد کو دلیل نہیں سمجھتا تھا۔ یہ ابوبکر الاصم کے غلاموں میں سے تھا۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ نے اس کو ضال اور مضل کہا ہے یعنی گمراہ اور گمراہ کن شخص۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے راستے میں اس سے پوچھا کہ مجھے تو سورۃ انعام میں تضادات نظر آتے ہیں، اس پر اس نے کہا کہ قرآن میں اور بھی بہت سے تضادات موجود ہیں" (نعوذ باللہ) تاریخ بغداد از خطیب بغدادی ج ۶ ص ۲۰ تا ۲۳ نمبر ۳۰۵۴۔

اس مستند حوالے سے ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ ابراہیم بن علیہ ابوبکر الاصم کا غلام اور مصاحب تھا اور یہ دونوں استاد شاگرد معتزلی اور گمراہ کن تھے اور واضح قسم کے قرینے سے ثابت کر دیا ہے کہ اس جگہ ابن علیہ سے مراد ابراہیم کے والد اسمٰعیل بن علیہ نہیں ہیں جب تک آپ تصریح یا واضح اور کھلے قرآن سے یہ ثابت نہ کریں کہ یہاں اسمٰعیل بن علیہ ہی مراد ہے اس وقت تک آپ کو اس کا حوالہ دینے کا اخلاقی حق حاصل نہیں ہے لیکن اگر فرض کر لیا جائے کہ یہ دونوں حضرات بڑے ثقہ اور فاضل افراد تھے پھر بھی اجماع صحابہؓ اور سنت خلفاء راشدین کے خلاف ان کی بات کو قانونی حیثیت حاصل نہیں ہو سکتی۔[1] خطیب بغدادیؒ نے اسمٰعیل بن علیہ کا تعارف بھی تفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے اور اس کی تعریف میں اقوال نقل کئے ہیں لیکن ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ اگرچہ یہ بھی ابن علیہ کہلاتا تھا مگر وہ اس نام کو پسند نہیں کرتا تھا اور لوگوں کو کہتا تھا کہ مجھے اس نام سے نہ پکارو (علیہ اس کی والدہ کا نام تھا) خلقِ قرآن کے قول کی نسبت

[1] موجودہ قانون میں بھی سپریم کورٹ کی قائم کردہ کسی نظیر کے خلاف نیچے کی کوئی عدالت فیصلہ نہیں دے سکتی۔ خواہ ماتحت جج کتنا ہی فاضل و مدبر کیوں نہ ہو۔ (ن ص)

© rasailojaraid.com

اس کی جانب بھی کی گئی ہے لیکن یہ الزام ہے اور غلط فہمی ہے۔[1]

اخراجات کی کفالت کا دعویٰ قادری صاحب فرماتے ہیں کہ آج کے دور میں بہت سے گھرانوں کے اخراجات کی کفالت کا انحصار عورت پر بھی ہو گیا ہے اور عورت کے مرنے سے مرد کے برابر اور کبھی مرد سے بھی زیادہ نقصان ہو سکتا ہے۔

تبصرہ آپ کو معلوم ہو گا کہ قانون اکثریت اور معاشرے کے عمومی حالات کو ملحوظ رکھ کر بنایا جاتا ہے اور ایسی صورتیں شاذ و نادر ہی ہو سکتی ہے کہ گھرانے کی کفالت کا انحصار عورت پر ہو۔ ایسی صورت میں تغلیظِ دیت کے اصول پر نصف دیت کے علاوہ جرمانہ بطور تعزیر وصول کر کے مقتولہ کے وارثوں کو دیا جا سکتا ہے لیکن قانون وہی بنایا جائے گا جو سنتِ رسولؐ، سنت خلفائے راشدینؓ اور تعامل و اجماع سے ثابت ہے۔ استثنائی صورتوں کے لئے وقتی حل نکالا جا سکتا ہے۔ لیکن قانون شرعی کو شاذ و نادر صورتوں کی وجہ سے بدلا نہیں جا سکتا۔[2]

شدت و عصبیت کی شکایت قادری صاحب فرماتے ہیں کہ ہمارے علماء نے اس مسئلے میں شدت اور عصبیت کی روش اختیار کر لی ہے، حالانکہ اختلاف رائے رحمت ہے اور مجتہدین شدت سے کام نہیں لیتے تھے۔

تبصرہ اختلافی مسائل میں کسی ایک رائے کو ترجیح دی جا سکتی ہے اور ایسے مسائل میں اختلافِ رائے یقیناً رحمت ہے بشرطیکہ دلائل پر مبنی ہو، خود غرضی پر مبنی نہ ہو اور فروعی و اختلافی مسائل کو عصبیت اور شدت کا ذریعہ بنانا یقیناً مذموم ہے۔ لیکن یہ مسئلہ تو اجماعی ہے، اختلافی نہیں ہے پھر باوجود اجماعی ہونے کے ہم نے تشدد اور تعصب سے کام نہیں لیا بلکہ دلائل سے بات

---

[1] شاید اس غلط فہمی کا سبب ابراہیم بن علیہ سے کنیت کی مشابہت ہو (ن-ص)

[2] عام طور پر افسروں اور سرمایہ داروں کی بیگمات اور ثقافتی سوشل سرگرمیوں کی دلدادہ خواتین پورے طبقہ نسواں کی نمائندہ بنی ہوئی ہیں اور جگہ جگہ تقریروں اور مذاکروں میں یہ ظاہر کر رہی ہیں کہ عورتوں کی بڑی تعداد گھر کی کفالت کرتی ہے حالانکہ ایسا ۵ ٪ بھی نہیں۔ گویا پروپیگنڈے اور پبلسٹی (اور اخبارات کے تعاون) کے زور سے غیر واقعی امر کو واقعی بنا کر دباؤ ڈالنے کی کوشش ہے اور وہ بھی قانون شرعی کے خلاف (ن ص)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی ہے اور کرتے رہیں گے۔

استحسان و استصلاح پر عمل کرنے کی دعوت پروفیسر صاحب فرماتے ہیں کہ دفعِ شر، ضرورت اور مصلحت کے لئے استحساناً اور استصلاحاً قیاس سے ہٹ کر یا شاذ قول[1] پر بھی فیصلہ ہو سکتا ہے اور اس کی مثالیں موجود ہیں۔

تبصرہ بجا فرمایا آپ نے، لیکن استحسان اور مصالح مرسلہ پر قیاس کے خلاف عمل کیا جا سکتا ہے، نصوص اور اجماع کے خلاف مصالح مرسلہ اور استحسان پر عمل کسی طرح بھی جائز نہیں ہے نہ اس کی کوئی مثال ہی ملتی ہے۔ شریعت کا یہ قانون ہماری مصلحت ہی کے لئے تو بنا ہے۔

بین الاقوامی سطح پر اسلام کی بدنامی کا خطرہ قادری صاحب فرماتے ہیں کہ عورت کی دیت کے نصف ہونے کا قانون بنانا بین الاقوامی سطح پر اسلامی آئین کی بدنامی کا باعث بن جائے گا، اس لئے اس خطرے کے پیشِ نظر مرد اور عورت کی دیت کے مساوی ہونے کا قانون بنایا جائے۔

تبصرہ اقوام متحدہ کے منشور میں تمام قوموں کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی دی گئی ہے آج کے دور میں تو بین الاقوامی طور پر کئی اقوام اور ممالک بنیادی انسانی اخلاق اور بنیادی انسانی حقوق کو کھلے عام پامال کر رہے ہیں اور ان کو بدنامی کی کوئی پروا نہیں۔ آخر ہم اپنے نظریئے اور عقیدے کے مطابق قانون سازی کرنے میں شرم اور سبکی کیوں محسوس کریں؟ اپنی روایات اور اقدار پر سختی کے ساتھ عمل کرنے والی قوموں کا وقار قوموں کی نظر میں بڑھتا ہے، گھٹتا نہیں ہے۔ آج کی مادہ پرستانہ تہذیب تو پردے، تعدد ازدواج اور مرد و زن کے اختلاط پر پابندی لگانے کو بھی رجعت پسندی اور عورتوں کی غلامی سمجھتی ہے، تو کیا شریعت کی ان پابندیوں کو بھی ختم کرنے کی سفارش قادری صاحب کریں گے؟ آج کے دور کی قومیں تو سیکولر سیاست کی علمبردار ہیں تو کیا ہم سیاست میں مذہب کا نام لینا اور سیاست کو مذہب و اخلاق کا پابند بنانے کی بات کرنا بدنامی

---

[1] دوسروں سے تو یہ مطالبہ کہ آیت قرآنی یا صحیح حدیث لاؤ اور خود یہ اصول بنا لینا کہ کسی کے بھی شاذ قول پر عمل کیا جا سکتا ہے، خواہ وہ قول خلفائے راشدین اور آئمہ اربعہ اور شیعہ فقہ کے متفق علیہ مسئلے کے خلاف ہو۔ (ن س)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے خوف سے ترک کر سکتے ہیں؟

جہاں تک عورتوں کے بنیادی انسانی حقوق اور اسلامی حقوق کا تعلق ہے اسلام کا مقابلہ اس سلسلے میں دنیا کی کوئی قوم اور کوئی تہذیب نہیں کر سکتی۔ قرآن و سنت اور فقہ اسلامی میں ان کو جو حقوق دیئے گئے ہیں ان کو کوئی بھی چھیننے کا حق نہیں رکھتا۔ اگر کوئی چھیننے کی کوشش کرے گا تو اسلامی ریاست اور اسلامی معاشرہ اس کی دادرسی کرے گا۔ اسی طرح عورت انسانی کرامت و شرافت میں کمتر نہیں ہے۔ کرامت کے اسلامی معیار میں جو عورتیں آگے ہوں گی ان کا مقام بھی بلند ہوگا۔ ہم جیسے مرد ازواج رسولؐ، بنات رسول اور صحابیات کی خاکِ پا کو بھی نہیں پہنچ سکتے اور آج بھی ایسی خوش قسمت خواتین موجود ہیں جن کے مقابلے میں مجھ جیسے مرد کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتے لیکن شرعی احکام و قوانین کی پابندی ہم سب پر لازم ہے۔ ہمارا رب اور ہمارا رسولؐ ہم سے زیادہ ہمارے مصالح کو سمجھتا ہے۔ اسی شعور کا نام ایمان ہے۔

ہماری نئی مطبوعات

۱۔ خورشیدِ رسالت کی پانچ کرنیں	آباد شاہ پوری	۱۸/ روپے
۲۔ یادِ رفتگان	[illegible] قادری	۴۲/ 〃
۳۔ اسلام میں جرم و سزا	ڈاکٹر عبدالعزیز عامر	۳۳/ 〃
۴۔ اسلامی ریاست کی ذمہ داریاں	امام ابن تیمیہ	۱۸/ 〃

البدر پبلی کیشنز ۔ اردو بازار ۔ لاہور ۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاپان، بنکاک اور بنگلہ دیش کا سفرنامہ

جناب خلیل حامدی صاحب

(۲)

موجودہ عہد اور ان کی قومی حیثیت احمد اسماعیل نے بتایا کہ سلامت ہاشم ازہر یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہے۔ جدید مطالعہ کے ساتھ ساتھ اُسے دینی علم پہ گہری نظر حاصل ہے۔ اخلاق و کردار کا بھی اُونچا انسان ہے۔ ان تمام پہلوؤں کے علاوہ احمد اسماعیل کے جانے کے بعد علی خنافی نے ایک اور اہم نکتہ بھی سلامت ہاشم کی مقبولیت کا بتایا۔ وہ نکتہ واقعی دلچسپ ہے۔

مورو قوم کے تین طبقات علی خنافی نے مورو قوم کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ قوم تین طبقوں پہ مشتمل ہے۔ ایک طبقہ وہ ہے جو سمندروں میں رہتا ہے اور ماہی گیری وغیرہ ان کا بالعموم پیشہ ہے۔ نسلی لحاظ سے یہ لوگ "سمر" (گندمی رنگ والے) کہلاتے ہیں۔ یہ خود بھی تسلیم کرتے ہیں اور دوسرے بھی ان کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ ساداتِ مکہ کے غلاموں کی نسل میں سے ہیں۔ اس طبقے کو تیسرا درجہ حاصل ہے۔ دوسرا طبقہ وہ ہے جو ہے تو کسی حد تک تعلیم یافتہ لیکن اُس کا نسلی تعلق مورو سلاطین میں سے کسی سلطان کے ساتھ نہیں ہے۔ یہ دوسرے درجے کے لوگ ہیں۔ مثلاً جزیرہ تاوی تاوی کے باشندے اکثر و بیشتر اسی طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور تیسرا طبقہ ان تعلیم یافتہ لوگوں پہ مشتمل ہے جو آلِ سلاطین کہلاتے ہیں۔ سلامت ہاشم اُبد سلطان جو سلطان آف قدرت کہلاتا تھا، کی اولاد میں سے ہیں۔ اس لیے ذاتی صلاحیت اور اخلاقی پاکیزگی کے ساتھ ان کو نسبی عظمت بھی حاصل ہے۔ ان کے مقابلے میں نور مسواری سولو (" " " S) جزیرے کی تیسری کلاس سے تعلق رکھتا ہے چنانچہ سلامت ہاشم مورو عوام کی نظر میں جو درجہ اور مقبولیت حاصل کر سکتا ہے نور مسواری وہ درجہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور مقبولیت حاصل کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔ علی خنافی کا یہ تجربہ میں نے کچھ اور لوگوں سے بھی بیان کیا انہوں نے بھی اس کی تائید کی۔ قبائلی معاشرے میں اس طرح کے تصورات کا پایا جانا بعید نہیں ہے۔

امام مسجد کا کردار ظہر کی نماز ادا کرنے کے لیے میں اور علی خنافی شہر نکل گئے۔ شہر بڑا تو نہیں ہے، لیکن ہے پُر رونق اور منظر آفرین۔ مچھلی مارکیٹ کے سامنے ایک مسجد ہے ظہر کی نماز کے لیے اس میں داخل ہوئے۔ جماعت ختم ہو رہی تھی۔ ہم نے اپنی الگ نماز پڑھ لی۔ جماعت میں شامل لوگوں کی تعداد ۸-۱۰ تھی۔ کچھ حضرات مسجد کے اندر ادھر اُدھر سو رہے تھے۔ نماز کے بعد چند نوجوان اور مسجد میں آ گئے۔ امام صاحب سے تعارف ہوا۔ ان کا نام حاجی زین العابدین ابن سلطان توکل زید ہے۔ انہوں نے مکہ معظمہ میں قرآن حفظ کیا ہے۔ عربی اچھی بول لیتے ہیں۔ اس وقت ان کی عمر ۵۰ برس کے قریب ہو گی۔ انہوں نے بتایا کہ وہ اس مسجد میں امامت اور خطابت کے فرائض انجام دیتے ہیں، لیکن اس خدمت کا وہ کوئی معاوضہ نہیں لیتے، بلکہ بعد میں اور دوسروں نے بھی بتایا کہ یہاں کے علما جو مساجد میں خدمت انجام دیتے ہیں کوئی تنخواہ نہیں لیتے اور نہ تنخواہ لینا پسند کرتے ہیں۔ اپنا الگ کاروبار کر کے معاش حاصل کرتے ہیں۔ جب ہم امام صاحب سے گفتگو کر رہے تھے تو وہ تمام لوگ جو نماز کے لیے یہاں آئے تھے اس میں شریک ہو گئے۔ بعد میں آنے والے اور نمازی بھی اس محفل میں شامل ہو گئے۔

مسجدوں کا طرز تعمیر پوری مسجد لکڑی کی بنی ہوئی ہے۔ ۳۰ سال پرانی ہے۔ لکڑی پر پھول بوٹے نقش ہوئے ہیں۔ یہاں مسجدیں چوکور بنائی جاتی ہیں۔ محراب، منبر، گنبد اور چھوٹے چھوٹے منارے مساجد کا عالمی نشان ہیں۔ پوری مسجد فرش سے چھت تک دیواروں سمیت لکڑی کی ہے۔ اس کا صحن نہیں ہے، بلکہ کسی مسجد میں صحن نہیں ہے۔ شمال اور جنوب میں مسجد کے طول کے مطابق ... بنے ہوتے ہیں۔ ایک کمرہ بچوں کو قرآن کریم اور عربی زبان کی تعلیم دینے کے لیے ہے۔ دوسرا کمرہ عورتوں کی نماز کے لیے۔ یہاں عورتیں بھی مسجد میں آتی ہیں۔ جمعہ کے روز پابندی کے ساتھ ... تمام نمازوں میں فرصت کے مطابق۔ ہم جس مسجد میں ہیں، پرانی ہونے کے باوجود خوبصورت لگتی ہے۔ لیکن صفائی کا انتظام خاطر خواہ نہیں ہے۔ اس کی وجہ مسلمانوں کی غربت ہے۔ یہاں کا مسلمان

© rasailojaraid.com